اسلامی ریاست

اسلامی معاشرہ اور اسلامی قومیت

(۲)

اسلام میں قومیت کی اساس اوپر یہ بات وضاحت سے ثابت ہو چکی ہے کہ اسلام قومیت کے معروف عوامل میں سے کسی عامل کو بھی بے داغ اور مفاسد سے پاک تسلیم نہیں کرتا اس وجہ سے ان میں سے کسی کو بھی یہ درجہ نہیں دیتا کہ اس پر معاشرت اور تمدن کی بنیاد رکھ دی جائے اور اس کو ایک سیاسی نظام کے لیے اساس کار کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ان عوامل میں سے کسی عامل کو بھی اسلام میں یہ حیثیت حاصل نہیں ہے کہ وہ قومیت کی بنیاد بن سکے تو آخر اسلام میں قومیت کی بنیاد ہے کیا چیز؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں قومیت کی بنیاد خود اسلام ہے۔ جو شخص اسلام کو قبول کر لیتا ہے وہ اسلامی قومیت کا ایک جزو بن جاتا ہے، جو شخص اسلام کو قبول نہیں کرتا وہ اسلامی قومیت کا جزو نہیں بن سکتا۔

یہ حقیقت اگرچہ ایک بالکل واضح حقیقت ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے، لیکن قومیت کے جدید نظریات اب دماغوں پر اس طرح مسلط ہو چکے ہیں کہ اور تو اور خود مسلمان بھی اب اس بات میں شک کرنے لگے ہیں کہ اسلام میں قومیت کی اساس خود اسلام ہی ہے، جب تک کوئی شخص کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار نہ کرے اس وقت تک اس کو اسلامی قومیت میں بحیثیت ایک شریک مساوی کے شامل ہونے کی سعادت حاصل نہیں ہوتی۔ عرب قوم جس کو خدا کے اس آخری دین کے حاملِ اول ہونے کا شرف حاصل ہوا، سب سے پہلے دنیا میں اس حقیقت کا

اعلان کرنے والی بنی تھی کہ اسلام میں قومیت کی اساس اسلام کے اصول و عقائد ہیں نہ کہ نسل یا زبان یا وطن یا اس طرح کی کوئی اور چیز۔ اسلام اپنے عقلی اور فطری اصولوں کے سوا کسی چیز کا بھی یہ درجہ تسلیم نہیں کرتا کہ وہ انسان اور انسان کے درمیان کسی فرق و اختلاف کی بنیاد بن سکے لیکن اب اسی قوم کے اندر یہ تحریک اٹھ رہی ہے کہ عربی نسل اور عربی زبان کو عربی قومیت کی بنیاد ہونا چاہیے ان کے سوا کسی چیز کو بھی یہ اہمیت حاصل نہیں ہونی چاہیے کہ وہ عربی زبان بولنے والوں کے درمیان قومیت کا کوئی فرق پیدا کر سکے۔

یہ صورت حال تقاضا کر رہی ہے کہ ہم اصل حقیقت واضح کرنے کے لیے یہاں کچھ دلائل بھی پیش کریں اور ضروری ہے کہ یہ دلیلیں نقلی اور عقلی دونوں طرح کی ہوں تاکہ مسلمان بھی ان سے مطمئن ہو سکیں اور ان لوگوں کے شبہات بھی دور ہو سکیں جو مذہب کو خواہ وہ کوئی بھی ہو، قومیت کی اساس ماننے میں طرح طرح کے خطرے محسوس کرتے ہیں۔

قومیت کے معاملے میں انبیاء علیہم السلام کا عمل

قومیت کے معاملے میں نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بلکہ تمام انبیاء کا عمل ہمیشہ ایک ہی رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم تک کی جو تاریخ قرآن میں بیان ہوئی ہے وہ اس حقیقت کو بالکل غیر مبہم طور پر واضح کر رہی ہے کہ اگرچہ تمام انبیاء کرام نسل، نسب اور زبان اور وطن سے بنی ہوئی قومیتوں ہی کے اندر سے اٹھے تاہم انہوں نے اس قومیت کو کبھی جائز تسلیم نہیں کیا۔ جائز تسلیم نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جن عوامل سے اس قومیت کی تشکیل ہوتی ہے ان عوامل کے فطری حقوق بھی انہوں نے تسلیم نہیں کیے، جہاں تک ان کے فطری حقوق اور مطالبات کا تعلق ہے ان کو نہ صرف یہ کہ انہوں نے تسلیم کیا بلکہ دوسروں سے کہیں زیادہ تسلیم کیا، اپنے ہم نسبوں اور ہم وطنوں کے لیے ایک شخص کے دل میں جو محبت و ہمدردی ہونی چاہیے وہ انبیاء علیہم السلام کے دل میں سب سے زیادہ تھی، وہ اپنی اپنی قوموں کے سب سے زیادہ خیر خواہ اور سب سے زیادہ غم خوار تھے اور ہمیشہ اپنی قوم کو "اے میری قوم" کے محبت بھرے خطاب سے خطاب کرتے تھے تاہم کسی نبی نے بھی اپنی قوم کے بارے میں یہ

اعلان نہیں کیا کہ فلاں نسل و نسب کے لوگ ایک قوم ہیں اس وجہ سے ان کے درمیان کسی عقیدہ یا نظریہ کی بنا پر کوئی تفریق نہیں ہونی چاہیے یا فلاں زبان بولنے والے سب ایک قوم ہیں اس وجہ سے انہیں لسانی بنیاد پر دوسروں کے مقابل میں اپنے آپ کو منظم کرنا چاہیے یا فلاں پہاڑ سے لے کر فلاں دریا تک کے سارے بسنے والے ایک متحدہ قومیت کے اجزاء ہیں جو شخص ان کے درمیان عقیدہ یا مسلک کی بنا پر کوئی فرق پیدا کرتا ہے وہ انتشار پسند ہے۔ اس طرح کی کوئی بات ہمیں کسی نبی سے بھی منقول نہیں ملتی اور نہ کسی نبی نے کبھی یہ کہا کہ "میں اپنی قوم کا ساتھی ہوں خواہ میری قوم حق پر ہو یا باطل پر۔

ایک قوم کو اپنے بزرگوں سے، اپنی زبان سے اور اپنی نسل سے جو وابستگی ہوتی ہے اور اس کی بنا پر قوم کے ہر فرد کے اندر ان کی طرف منسوب ہونے والی چیزوں سے جو محبت ہو جاتی ہے یا ہونی چاہیے انبیاء علیہم السلام اس سے اچھی طرح باخبر تھے اور اپنی دعوت میں انہوں نے اس فطری اپیل سے فایدہ بھی اٹھایا ہے لیکن اس سے زیادہ نہیں کہ اگر ایک چیز عقل اور فطرت کے اعتبار سے حق ہوئی ہے اور حسن اتفاق سے اس کے پیچھے کوئی اس طرح کی تاریخ بھی ہوئی ہے تو انھوں نے اس سے فائدہ اٹھا لیا ہے اس نسبت کو بجائے خود کسی چیز کے حق ہونے کی بنیاد تسلیم نہیں کیا ہے۔ مثلاً اسلام کے متعلق قرآن نے عربوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ تمہارے جد امجد حضرت ابراہیمؑ کا دین ہے (مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ یہ تمہاری اپنی قوم کے اندر سے اٹھے ہیں یا امیوں کے اندر سے اٹھے ہیں یا خود قرآن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ یہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ باتیں اسی مقصد سے کہی گئی ہیں کہ عربوں کو اس ملت، اس پیغمبر اور اس قرآن کی طرف راغب کیا جائے لیکن محض اس دلیل کی بنا پر نہیں کہ اسلام ان کے باپ کا دین ہے، یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی اپنی قوم کے ایک لیڈر ہیں یا قرآن خود ان کے ادب کا ایک شاہکار ہے بلکہ ان کی حقانیت کے نہایت واضح اور قطعی دلایل قرآن میں الگ بیان

ہوئے ہیں اور یہ دلائل تمام تر عقلی اور فطری ہیں، اِن عقلی و فطری دلائل پر مزید اضافہ یہ بھی ہے کہ جہاں تک عربوں کا تعلق ہے انہیں ان چیزوں سے قومی تعلق کی بنا پر بھی لگاؤ ہونا چاہیے۔

صرف یہی نہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے نسل و نسب یا زبان اور وطن کے نعرہ پر لوگوں کو متحد اور منظم ہونے کی دعوت نہیں دی بلکہ ان اساسات پر قایم شدہ تنظیموں کو انہوں نے توڑا اور توڑ کر از سرنو ان کو ایمان اور عقیدہ کی بنیاد پر قایم کرنے کی دعوت دی اور اگر ان کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی ہے تو وہ اپنی اپنی قوموں کو چھوڑ کر اور ان سے اعلان برارت کر کے الگ ہو گئے ہیں اور جس سرزمین پر بھی ان کو ایمان اور عقیدہ کی بنیاد پر ایک ملی تنظیم کے مواقع حاصل ہوئے ہیں انہوں نے وہاں اپنے مقصد کے لیے جدوجہد کی ہے۔ اس حقیقت کا ثبوت یوں تو ہر نبی کی زندگی سے فراہم ہوتا ہے لیکن ہم طوالت سے بچنے کے لیے صرف تین جلیل القدر انبیاء...... حضرت نوح، حضرت ابراہیم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہم وسلم کی زندگی سے اس کی مثالیں پیش کرتے ہیں:۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اسوہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو دعوت دی وہ قرآن میں یوں نقل ہوئی ہے۔

"اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! میں تمہارے لیے خدا کی طرف سے ایک کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں اور یہ دعوت دیتا ہوں کہ اللہ ہی کی بندگی کرو، اسی سے ڈرو اور میری بات مانو۔"

(۲-۳، نوح)

یہ دعوت جس دل سوزی، جس سرگرمی اور جس جوش سے انہوں نے دی اور ان کی قوم نے اس دعوت کے ساتھ جو سلوک کیا اس کی تصویر خود انہی نے اس طرح کھینچی ہے:۔

"اس نے دعا کی کہ اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات دن پکارا مگر میری دعوت نے ان کے گریز ہی میں اضافہ کیا۔ میں نے جب ان کو مغفرت کی دعوت دی تاکہ تو انہیں بخشے انہوں نے اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس لیں، اپنے اوپر اپنی چادریں لپیٹ لیں اور ضد اور گھمنڈ کا مظاہرہ کیا۔ پھر میں نے ان کو

کھل کر پکارا۔ پھر میں نے ان کو ظاہر بھی سمجھایا اور پوشیدہ بھی سمجھایا۔ میں نے کہا کہ اپنے رب سے مغفرت مانگو، وہ بخشنے والا ہے۔" ۵ - ۱۰ سورہ نوح

قوم کے سامنے جو دعوت اس ہمدردی اور اس دل سوزی کے ساتھ پیش کی گئی جب قوم نے وہ دعوت رد کر دی تو قوم کے ساتھ حضرت نوح کی وہی محبت جو دعوت کے لفظ کے رگ و ریشہ سے ٹپک رہی ہے بے زاری اور اعلانِ برارت کی شکل میں تبدیل ہو گئی اور انہوں نے اس قوم کو ہلاک ہونے کے لیے چھوڑ دیا اور اس کی جگہ پر انہوں نے ایک الگ جمعیت بنائی جو صرف ان لوگوں پر مشتمل تھی جو خدا کو ماننے والے اور اس کے غضب سے ڈرنے والے تھے۔ یہی جمعیت بعد میں ان کی تعلیم و دعوت کی وارث بنی اور اس سے مختلف قومیں وجود میں آئیں۔

"اور نوح نے دعا کی کہ اے میرے رب تو زمین پر کافروں میں سے ایک بھی چلتا پھرتا نہ چھوڑ، اگر تو ان کو چھوڑے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور یہ صرف نابکاروں اور ناشکروں ہی کو جنم دیں گے اے میرے رب، مجھ کو بخش، میرے ماں باپ کو بخش اور ان کو بخش جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہو جائیں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بخش اور ظالموں کے لیے تباہی کے سوا کچھ اور نہ بڑھا۔" ۲۶ - ۲۸ نوح

حضرت نوح علیہ السلام کی اِس قوم کے اندر وہ تمام عناصرِ قومیت موجود تھے جو ایک نسلی اور وطنی قومیت کے ضروری اجزا سمجھے جاتے ہیں۔ یہ واضح طور پر ایک نسل کے لوگ تھے، ایک ہی زبان بولتے تھے۔ جغرافی یک جائی نے ان کا سیاسی اور معاشی مفاد بالکل مشترک بنا دیا تھا، ان کا ایک آبائی دین بھی تھا، جس میں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر نامی دیوتاؤں کی پوجا ہوتی تھی، ان کے اندر صاحبِ مال و اولاد لیڈر بھی تھے اور سورہ نوح کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت کی تمام سیاسی چالوں سے اچھی طرح واقف بھی تھے۔ قومیت کے عام تصور کو اگر سامنے رکھا جائے تو ان ساری چیزوں سے یہ قوم لیس تھی جو ایک قوم کو قوم بنانے کے لیے مطلوب ہیں۔ حضرت نوح ؑ کے الفاظ صاف شہادت دے رہے ہیں کہ ان کو اپنی اس قوم سے نہایت گہری محبت بھی تھی۔ اگر ان کو محبت بھی

تھی تو آخر انہوں نے اس پوری قوم کو توڑ پھوڑ کر کیوں رکھ دیا؟ اگر ان کو اپنی قوم کی ترقی قومی حیثیت سے مطلوب تھی تو اس کے لیے صحیح طریقہ یہی ہو سکتا تھا کہ وہ قومیت کے انہی عوامل میں سے کسی عامل کو بھڑکاتے جن سے ان کی قوم کو جذباتی وابستگی تھی۔ آخر ان کی قوم کے قوم پرست لیڈر، وَدّ، سواع، یغوث اور یعوق کا حوالہ دے کر لوگوں کو حضرت نوح کے خلاف بھڑکاتے ہی تھے کہ یہ شخص ان مقدس قومی معبودوں کی پرستش سے تمہیں برگشتہ کر کے تمہاری قومی جمعیت کو پارہ پارہ کر رہا ہے، اسی طرح کا کوئی قومی حربہ حضرت نوح علیہ السلام بھی اپنی قوم کو بھڑکانے کے لیے استعمال کر سکتے تھے لیکن انہوں نے اس قسم کے کسی فتنے کا سہارا نہیں لیا بلکہ سیدھے سیدھے لوگوں کو خدا کی طرف بلایا اور جو لوگ خدا کے کلمہ پر مجتمع ہو گئے تھے ان کے سوا سب کو انہوں نے چھوڑ دیا۔

حضرت ابراہیمؑ کا اعلان برأت اسی طرح نسل و نسب اور زبان اور وطن کے اشتراک سے بنی ہوئی ایک قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بھی تھی اور انہیں بھی اس قوم سے نہایت گہری محبت تھی لیکن اس محبت کے باوجود وہ اس بات پر راضی نہ ہوئے کہ ان عناصر سے بنی ہوئی کسی قوم کے اندر رہ کر اپنی زندگی کے دن گذارتے رہیں یا اس کے اوپر اپنی لیڈری جمانے کے خواب دیکھیں بلکہ انہوں نے اپنی اس قوم کو ان غلط بنیادوں سے ہٹا کر توحید اور خالص خدا پرستی کی بنیاد پر منظم کرنے کی کوشش کی لیکن جب قوم نے ان کی بات نہ مانی تو وہ سب کو چھوڑ کر ایک دوسری سرزمین کی طرف ہجرت کر گئے اور اپنی اولاد میں سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ایک بے آب و گیاہ صحرا میں بسایا اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ ان کی نسل سے وہ اپنی ایک فرماں بردار امت اٹھائے جس کی تعمیر نسل و نسب اور زبان و وطن کے بجائے خالص توحید اور خدا پرستی کی بنیاد پر ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو چھوڑتے وقت جو الفاظ فرمائے ہیں وہ قرآن مجید میں جس طرح نقل ہوئے ہیں ان کا ترجمہ یہ ہے:-

"تمہارے لیے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں کے رویے میں ایک اچھی مثال ہے۔ جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور ان سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بالکل بے تعلق ہیں۔ ہم نے تمہارے

دین کا انکار کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان اس وقت تک کے لیے عداوت اور دشمنی آشکارا ہو گئی جب تک تم اللہ واحد ہی پر ایمان نہ لاؤ۔" (ممتحنہ)

مذکورہ آیت میں یہ بات خاص طور پر لحاظ رکھنے کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف قوم کے دین بت پرستی ہی سے بے زاری کا اعلان نہیں کیا بلکہ خود قوم سے بھی کامل بے تعلقی کا اعلان کر دیا اور یہ بھی واضح کر دیا کہ ان تعلقات کی بحالی کی واحد شرط یہ ہے کہ تم ایک ہی اللہ پر ایمان لاؤ۔ یہ اس بات کا نہایت واضح ثبوت ہے کہ وہ نہ تو کسی ایسی قومیت کا تصور رکھتے تھے جس میں دین کو بالکل خارج از بحث رکھ کر محض نسلی اور وطنی عوامل کی مدد سے ایک قومیت کا کنبہ جوڑ لیا جائے اور نہ وہ کسی غلط دین پر قومیت کی شیرازہ بندی کا کوئی تصور رکھتے تھے۔

نبی کریم ؐ کا اسوۂ حسنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جس قوم کے اندر ہوئی تھی وہ نسلی اور نسبی عصبیت کے اعتبار سے دنیا کی ایک ممتاز ترین قوم تھی، اس کو اپنی زبان پر بڑا فخر تھا، اس کو اپنے وطن پر بھی بڑا ناز تھا، اپنی روایات اور اپنے دین بت پرستی کے ساتھ بھی اس کو عشق تھا اور انہی عناصر سے اس کی عربی قومیت کی شیرازہ بندی ہوئی تھی۔ یہ چیزیں اہل عرب کے رگ و ریشے میں اس طرح سرایت کیے ہوئے تھیں کہ ان سے اندر ان چیزوں کا سہارا لیے بغیر کسی بڑے سے بڑے لیڈر کے لیے بھی کوئی اصلاح کا کام کرنا ممکن نہ تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم سے انتہائی محبت رکھنے کے باوجود نہ صرف یہ کہ ان چیزوں کا کوئی سہارا نہیں لیا بلکہ آپؐ کی دعوت کی پہلی ہی صدا عربی قومیت کے ان تمام عناصر کے لیے ایک ضرب کاری کا حکم رکھتی تھی۔

آپؐ کی قوم کا آبائی دین بت پرستی تھا اور اس دین کو ان کی شیرازہ بندی میں بڑا دخل تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اعلان کر کے سب سے پہلے اس کے باطل ہونے کا اعلان کیا۔

آپؐ کی قوم کو اپنی زبان اور اپنے نسلی شرف کا بھی بڑا گھمنڈ تھا اور اس کی قومی شیرازہ بندی میں اس چیز کو بھی بڑا دخل تھا، آپؐ نے اپنے مختلف اعلانات کے ذریعہ سے اس پندار کا بھی خاتمہ کر دیا۔

اس بارے میں قرآن مجید کی آیتوں کے ترجمے ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔ یہاں چند حدیثوں کے ترجمے پیش کرتے ہیں۔

"نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر۔ تم سب یکساں آدم کی اولاد ہو۔"
(بخاری و مسلم)

"نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، نہ کسی گورے کو کسی کالے پر فضیلت ہے اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر۔ اگر فضیلت ہے تو تقویٰ کی بنا پر۔" (زاد المعاد)

"اے قوم قریش، اللہ نے تمہاری جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا پر تمہارے گھمنڈ کو ختم کر دیا۔"

آپؐ کی قوم کو اپنے وطن سے بھی بڑا گہرا لگاؤ تھا اور ان کی شیرازہ بندی میں اس کی عظمت و محبت کو بھی بڑا دخل تھا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس وطن سے نہایت گہری محبت تھی۔ لیکن آپؐ نے اسلام کے لیے اس محبوب وطن کو چھوڑا اور یہ کہہ کر چھوڑا کہ "اے مکہ تو مجھے دنیا کی ہر جگہ سے زیادہ عزیز ہے لیکن کیا کروں تیرے فرزند مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔" یہ گویا حضورؐ کی طرف سے اس حقیقت کا ایک عملی اعلان تھا کہ وطن بڑی چیز ہے لیکن پھر بھی اس کا یہ درجہ نہیں ہے کہ ایمان اور عقیدہ کو بھی اس کے تابع کر دیا جائے۔

آپؐ کی قوم کو اپنی روایات پر بھی بڑا ناز تھا اور ان روایات کو بھی ان کی قومی شیرازہ بندی میں بڑا دخل تھا۔ لیکن نبی کریمؐ نے خطبہ حجۃ الوداع میں تمام غلط روایات کا یہ کہہ کر خاتمہ کر دیا کہ

"یاد رکھو کہ جاہلیت کے تمہارے تمام مفاخر اور خون اور مال کے تمام دعوے آج میرے ان قدموں کے نیچے ہیں۔"

نسل و نسب اور زبان اور وطن سے بنی ہوئی قومیتوں میں ساری اہمیت انہی چیزوں کو حاصل ہوتی ہے اور قوم کے ہر فرد سے یہ چاہا جاتا ہے کہ ان کی محبت کے نشے میں اس طرح سرشار رہے کہ ان کے خلاف ایک لفظ بھی نہ سن سکے اور جب کبھی ان پر کوئی آنچ آتے دیکھے تو ان کی حمیت و حمایت میں مرنے اور مارنے کے لیے تیار ہو جائے۔ عربی زبان میں اسی چیز کو عصبیت کہتے ہیں اور کسی قومیت کا

استحکام اسی عصبیت پر منحصر ہوتا ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عصبیت کا بھی یہ اعلان کر کے خاتمہ کر دیا کہ :-

"جو عصبیت پر مرا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جس نے عصبیت کا نعرہ لگایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جو کسی عصبیت کے تحت لڑا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

یہاں یہ حقیقت بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تمام اقدامات پر نسلی اور وطنی قومیت کے علم بردار برابر چراغ پا ہوتے رہے اور آپ کو قوم دشمنی اور انتشار پسندی کے طعنے دے دے کر اس کے برے نتائج سے آپ کو ڈراتے بھی رہے لیکن حضور نے ان کی سُنی ان سنی کر دی اور برابر ایمان و عقیدہ کی بنیاد پہ ایک نئے معاشرہ کی تعمیر میں لگے رہے۔

مکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعوت دی قریش اس کو برابر انتشار پسندی اور تخریب سے تعبیر کرتے رہے۔ اس کے بعد جب حضور نے مدینہ کو ہجرت فرمائی تو قریش نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ شخص اپنی قوم کو چھوڑ کر دوسروں سے جا ملا ہے اور جو شخص اپنی قوم کو چھوڑتا ہے بالآخر اس کی جڑ کٹ کے رہتی ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر قریش آپ کو "ابتر" کہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ خدا کے لیے قوم کو چھوڑتے ہیں وہ ابتر نہیں ہوتے ابتر وہ ہوتے ہیں جو قوم کے لیے خدا کو بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اس کے بعد جب بدر کا معرکہ پیش آیا اور قریش نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دین اور عقیدہ کے سوال نے فی الواقع قریش کو قریش ہی کے خلاف صف آرا کر دیا ہے تو ابو جہل، جو قرشی قومیت کا سب سے بڑا علم بردار تھا، یہ منظر دیکھ کر بوکھلا اٹھا اور اس نے اسی وقت للکار کے یہ دعا کی کہ " اے خدا جس نے اس قطع رحم کی بنا ڈالی ہے تو اس کو شکست دینا"۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو رحم کی پاس داری، جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں نہایت پسند ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے حقوق رحم کے حقوق سے بھی کہیں بڑھ کر ہیں اس وجہ سے اس نے ان لوگوں کو فتح دی جو اللہ کے دین کے لیے رحم اور نسب کے سارے روابط سے بے پروا ہو گئے تھے۔ اور ان لوگوں کو اس معرکے میں شکست ہوئی جو نسل و نسب کے تعصبات کے پیچھے خدا کو بھول بیٹھے تھے۔

الغرض اپنی قوم کی تمام مخالفتوں کے باوجود آپؐ نے ایک ایسا معاشرہ قایم کر دیا جس میں نسل اور وطن کے بجائے تمام اہمیت ایمان اور عقیدہ کو حاصل ہوئی، جس میں ایک حبشی یا ایک رومی کے لیے تو اونچی سے اونچی جگہ تھی اگر وہ اللہ کے دین کو اپنائے لیکن ایک قریشی اور ہاشمی کے لیے کوئی جگہ بھی نہیں تھی اگر وہ خدا کے دین کو نہ مانے۔ ایمان اور عقیدہ کی اساس پر قایم ہونے والے اس معاشرہ میں نسلی اور وطنی عوامل کی جگہ ہجرت اور نصرت کے عوامل نے کام کیا۔ جو لوگ اپنی قوم اور اپنے وطن کے اندر اپنے دین و ایمان کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتے تھے ان کو یہ حکم ہوا کہ وہ اپنی قوم اور اپنے وطن کو چھوڑ کر وہاں ہجرت کر جائیں جہاں کی فضا ان کے دین و ایمان کے لیے سازگار ہے اور جو لوگ اپنے دلوں کی طرح اپنے ماحول کو بھی ایمان و اسلام کے نور سے منور کر چکے تھے ان کو یہ حکم ہوا کہ وہ اپنے اُن دینی بھائیوں کی ہر طرح مدد کریں جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئیں۔ ہجرت کرنے والوں نے اپنے عزیزوں رشتہ داروں اور اپنے اس وطن کو چھوڑا جس کے اندر وہ اپنے دین کے سبب سے بے گانہ بن کے رہ گئے تھے اور ان لوگوں کو اپنا بھائی اور عزیز بنایا جو دین میں ان کے شریک بن چکے تھے۔ مدد کرنے والوں نے اپنے ان عزیزوں اور رشتہ داروں کو چھوڑا جن سے وہ خون اور نسب اور ہم وطنی کے رشتے رکھتے تھے لیکن دین میں ان سے مختلف ہو گئے تھے اور ان کو چھوڑ کر ساری محبتیں اور ساری جاں نثاریاں ان لوگوں کے لیے وقف کرنے پر آمادہ ہو گئے جن سے اگرچہ وہ خون اور ہم وطنی کا اشتراک نہیں رکھتے تھے لیکن ایمان و اسلام کے رشتے نے اب ان کو ایک کر دیا تھا۔ اس ہجرت اور نصرت نے ایک نئے معاشرہ کی بنیاد رکھ دی۔ مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ کا نہایت گہرا تعلق قائم ہو گیا۔ انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کے لیے ایثار اور قربانی کی ایسی مثالیں قائم کیں جن کی نظیر خونی اور نسبی رشتوں میں ملنی مشکل تھی۔ لوگوں نے اپنی جایدادوں اور اپنے کاروبار میں اپنے مہاجر بھائیوں کو برابر کا شریک بنا دیا۔ بعضوں نے، جن کے نکاح میں ایک سے زیادہ بیویاں تھیں، اپنی ایک بیوی کو طلاق دیدی کہ ان کا مہاجر بھائی اس سے نکاح کر لے۔ اس دینی مواخات کو ایک خاص زمانہ تک صرف اخلاقی ہی حیثیت حاصل نہیں رہی بلکہ اس کی ایک شرعی اور قانونی حیثیت بھی تھی۔ تقسیمِ وراثت تک میں

اس کا لحاظ ہوتا تھا۔

جو مسلمان کسی غلط ماحول میں اگرچہ وہ اس کا وطن ہی ہو، گھرا ہوا تھا اس کے لیے از روئے شرع یہ ضروری ہوا کہ وہ اس غلط ماحول سے نکل کر اس صالح معاشرہ میں شامل ہو جائے، اور اگر وہ بغیر کسی شدید مجبوری کے اس سے گریز اختیار کرتا تو وہ منافق شمار ہوتا اور مسلمانوں پر سے اس کی نصرت و حمایت کی شرعی اور قانونی ذمہ داری ساقط ہو جاتی۔ اس سلسلے کے بعض احکام ملاحظہ ہوں:۔

"تم اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی اپنا عزیز و قریب نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیں اور جو ان کو عزیز و قریب بنائیں گے تو وہی لوگ ظالموں میں سے ہوں گے۔ کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں اور تمہارے خاندان اور وہ مال جو تم نے کمائے، وہ تجارت جس کی کساد بازاری کا تمہیں اندیشہ ہے اور وہ مکان جو تمہیں پسند ہیں اگر یہ تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرمائے۔ اور اللہ نافرمانوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔" (۲۳-۲۴ توبہ)

"جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور مال اور جان سے خدا کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے پناہ دی اور مدد کی یہی لوگ ایک دوسرے کے عزیز و رفیق ہیں اور جو لوگ ایمان تو لائے پر انہوں نے ہجرت نہیں کی تمہارے اوپر ان کی نصرت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے جب تک وہ ہجرت نہ کریں۔" (۷۲۔ انفال)

جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص قوم کے لوگ اور آپ سے اخوت و رشتہ داری اور ہم وطنی کے تمام روابط رکھتے تھے اس نئے معاشرہ میں ان کے لیے بھی اس وقت تک کوئی جگہ نہیں تسلیم کی گئی جب تک وہ توبہ اور اصلاح کر کے اس معاشرہ کے بنیادی اصولوں کی پابندی کا اعلان نہ کریں۔ فرمایا:۔

"پس اگر وہ توبہ کریں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تب وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔" (۱۱۔ توبہ)

اس معاشرہ کے اندر ایمانی و اسلامی اقدار کو اتنی اہمیت حاصل ہوئی کہ اس میں ہر گھس آنے والے کو، وہ کسی محرک کے تحت گھس آیا ہو، جگہ نہیں دی گئی بلکہ صرف انہی لوگوں کو جگہ دی گئی جن کو صرف ایمان و اسلام کی کشش نے دوسروں سے کٹنے اور اس کے اندر داخل ہونے پر آمادہ کیا ہو۔ قرآن کا یہ حکم

ملاحظہ ہو:۔

"اے ایمان والو، اگر تمہارے پاس مومنہ عورتیں ہجرت کرکے آئیں توان کو جانچو۔ اللہ ان کے ایمان سے اچھی طرح باخبر ہے۔۔۔ پس اگر تم ان کو مومنہ پاؤ توان کو کفار کی طرف نہ لوٹاؤ.......... اور تم کافرہ عورتوں کی عصمتوں کو اپنے قبضہ میں نہ .... رکھو" (۱۰۔ ممتحنہ)

اس معاشرہ کے اندر ایک زرخرید لونڈی اگر وہ مسلمہ ہے اس شریف زادی پر ہزار درجہ ترجیح رکھتی تھی جو مشرکہ ہو۔

"اور مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ ایک مومنہ لونڈی ایک مشرکہ شریف زادی سے کہیں بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں کتنی ہی بھلی لگے اور مشرکوں کے نکاح میں اپنی لڑکیاں نہ دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں، ایک مومن غلام ایک آزاد مشرک سے کہیں بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں کتنا ہی بھلا لگے۔" (۲۲۱ بقرہ)

اس معاشرہ میں اخوت اور بھائی چارگی کی بنیاد خاندان یا وطن کے بجائے ایمان و اسلام کے رشتہ پر رکھی گئی۔

"اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں" (۱۰ الحجرات)

مسلمانوں کی تعریف یہ بیان کی گئی کہ وہ آپس میں رحم دل اور کریم النفس ہیں۔ برعکس اس کے اہلِ کفر کے لیے وہ سخت ہیں۔ ان کو یہ موقع نہیں دیتے کہ وہ ان کے اندر دراندازی کرسکیں یا ان کو اپنے اغراض کے لیے استعمال کرسکیں۔

"محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے لیے سخت اور آپس میں مہربان ہیں۔" (۲۹ فتح)

(باقی)